© rasailojaraid.com

ششماہی علوم القرآن، علی گڑھ، ۳۰/۱، جنوری - جون ۲۰۱۵ء

مولانا سید سلیمان ندویؒ اور قرآنی افکار و تعلیمات کی اشاعت

ظفر الاسلام اصلاحی

مولانا سید سلیمان ندویؒ (۱۳/دسمبر ۱۸۸۴ - ۲۲/نومبر ۱۹۵۳ء) اپنی دینی و علمی خدماتِ جلیلہ کے لیے ممتاز و معروف ہیں۔ ان کی علمی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ وہ عام طور پر سیرت، سوانح، تاریخ و ادب میں دلچسپی کے لیے زیادہ مشہور ہیں، لیکن حقیقت یہ کہ خود ان کی تحریریں اور ان کے قریبی تلامذہ کے تاثرات و بیانات اس حقیقت کے شاہد ہیں کہ وہ قرآن کا خصوصی ذوق رکھتے تھے اور قرآنی علوم و معارف کی تشریح و ترجمانی ان کی نگارشات کا خاص موضوع رہا ہے۔ ''تاریخ ارض القرآن'' کے علاوہ سید صاحب نے سیرت نبوی ﷺ، تاریخ و سیر اور سوانح و ادب اور مکتوب نگاری کے میدان میں جو علمی یادگاریں چھوڑی ہیں اگر ان کا گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت منکشف ہوگی کہ قرآن مجید ان کا اختصاص تھا اور قرآنی ذوق ان پر غالب تھا۔ وہ ہر مسئلہ میں قرآن کریم سے طلب رہنمائی اور ہر مضمون میں وہ قرآنی فکر کی ترجمانی کو ترجیح دیتے تھے[۱]۔ واقعہ یہ کہ ان کے قرآنی ذوق کو پروان چڑھانے اور قرآن سے ان کے تعلق کو مضبوط کرنے میں علامہ شبلیؒ سے تلمذ و حصول تربیت اور مولانا حمید الدین فراہیؒ کی صحبتوں سے استفادہ کا خاص دخل رہا ہے۔ قرآنی علوم کے ان ماہرین سے ان کے اخذ و استفادہ کی کہانی خود ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی زبانی سماعت فرمائیں۔ زندگی کے مختلف مراحل میں متعدد کتب کے درس و مطالعہ اور ان کے اثرات کا ذکر کرنے کے بعد آخر میں وہ تحریر فرماتے ہیں:

''سب سے آخری جلوہ قرآن پاک کا نظر آیا۔ مولانا شبلی مرحوم نے اس کا آغاز کیا اور مولانا حمید الدین مرحوم کی دلچسپ و مفید صحبتوں میں یہ چسکا اور آگے بڑھتا گیا اور اسی کا یہ اثر ہوا کہ سیرت نبوی ﷺ کی ہر بحث میں قرآن پاک میری عمارت کی بنیاد اور حدیث نبوی ﷺ اس کے نقش و نگار ہیں اور یہی دونوں میرا سرمایہ اور یہی دونوں میرا زادِ راہ ہیں'' ۲؎۔

یہاں یہ ذکر بے موقع نہ ہوگا کہ سید صاحب نے متعدد اساتذہ سے استفادہ کیا اور ان سے تربیت حاصل کی، لیکن انھوں نے بہت ہی واضح لفظوں میں علامہ شبلی کو اپنی علمی زندگی کا ''اصل رہنما'' قرار دیا ہے اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ ''میرا تصنیفی ذوق مولانا شبلی مرحوم کی تربیت کے دامن میں پروان چڑھا'' ۳؎۔ مولانا حمید الدین فراہی سے استفادہ کے بارے میں خود ان کے الفاظ یہ ہیں: ''دارالعلوم (ندوۃ العلماء) ہی میں تھا کہ ایک اور بزرگ سے نیاز حاصل ہوا۔ یہ مولانا شبلی کے ماموں زاد بھائی مولانا حمید الدین صاحب، بی۔ اے تھے، یہ عربی کے عالم اور انگریزی میں گریجویٹ تھے...... سالہا سال سے وہ (مولانا فراہی) قرآن پاک کے حقایق و معانی پر غور کر رہے تھے، ان سے قرآن پاک اور فلسفۂ جدیدہ کے سبق تو کم پڑھے، مگر صحبتیں بار بار اٹھائی اور مشکلات میں مشورے بار بار کیے'' ۴؎۔

اس باب میں ان کے قریبی تلامذہ کے مشاہدات و تاثرات سے بھی اس کی بخوبی توثیق ہوتی ہے۔ مولانا سید ابوالحسن ندویؒ سید صاحب کے علمی اختصاص کے بارے میں اپنا تاثر ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

''عام طور پر لوگ سید صاحب کو مورخ یا ادیب کی حیثیت سے جانتے ہیں،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خصوصاً علماء کے قدیم حلقہ میں ان کا تعارف اسی سلسلہ سے ہے، لیکن مجھے سید صاحب کی علمی صحبتوں اور ذاتی استفادہ سے معلوم ہوا کہ ان کا امتیازی مضمون قرآن مجید اور علم کلام ہے۔ میں معاصر علماء میں کسی شخص کا مطالعۂ قرآن مجید اور علوم قرآن کا اتنا وسیع اور گہرا نہیں پایا'' ۵۔

سید صاحب کے ارشد تلامذہ میں مولانا محمد اویس نگرامی ندوی بہت معروف ہیں۔ ندوہ کے علاوہ دارالمصنّفین اور دیسنہ میں ان سے علمی و دینی تربیت حاصل کرتے رہے ہیں۔ ان کے تاثرات سے بھی سید صاحب کے قرآنیات سے گہرے شغف اور قرآنی علوم میں ان کی مہارت کا ثبوت ملتا ہے۔ ان کی وفات پر تعزیتی نشست سے خطاب کرتے ہوئے انھوں نے یہ فرمایا تھا:

''اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کو جن علمی کمالات سے سرفراز فرمایا تھا اگر ان کا تجزیہ کیا جائے تو سیرت، تاریخ، ادب، علم کلام اور قرآن مجید ان کے خاص علوم قرار پائیں گے، مگر ان علوم میں قرآن مجید کی حیثیت اساسی تھی۔ ان کے تمام علوم بنیادی طور پر اسی محور کے ارد گرد گردش کرتے تھے۔ ان کی سیرت اور ان کے علم کلام کا ماخذ قرآن مجید ہی تھا۔ ان کا عربی علم ادب قرآن مجید ہی کا خدمت گذار تھا۔ اشخاص، ممالک اور علوم کی تاریخ پر ان کی نظر بہت گہری تھی، مگر درحقیقت ان کی زندگی کا حقیقی مونس و ہمدم قرآن مجید ہی تھا'' ۶۔

سید صاحب کے معتقدینِ خاص میں ڈاکٹر غلام محمد کا نامِ نامی بہت معروف ہے۔ وہ ایک طویل عرصہ تک ان کی صحبت میں رہے ہیں اور ان کی جلوت وخلوت کے بہت سے واقعات کے مشاہد ہیں۔ سید صاحب کے قرآنی اختصاص پر ان کا بیان بھی بڑی وقعت واہمیت کا حامل ہے۔ ''نکاتِ سورہ فاتحہ۔ از افادات علامہ سید سلیمان ندوی'' کے دیباچہ میں وہ لکھتے ہیں:

''حضرت علامہ کی تصانیف کا جن لوگوں نے غائر مطالعہ کیا ہے یا ان کو کبھی علامہ ممدوح سے علوم القرآن میں استفادہ کا موقع حاصل رہا ہے وہ جانتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں کہ فکر سلیمانی کا محور تمام تر کلام پاک ہی تھا اور یہ فکر اتنی گہری اور ایسی رسا تھی کہ دور حاضر میں اس کی نظیر شاذ ہے، یوں تو علامہ کی ہر تصنیف کی بنیاد خواہ اس کا عنوان تاریخی اور جغرافیائی نوعیت ہی کا کیوں نہ ہو قرآن پاک ہی پر ملے گی، مگر ارض القرآن تو ان کی مجتہدانہ فکر و نظر کی ایک بے مثال یادگار ہے اور سیرۃ النبی ﷺ کی چھ ضخیم مجلدات میں ''کان خلقه القرآن'' کی حقیقت جس موزونیت و کمال کے ساتھ پیش کی گئی ہے وہ حضرت علامہ کی بصیرتِ قرآنی کا اعجاز ہے'' ۷۔

تعلیم کے دوران مولانا سید سلیمان ندوی کی تعلیمِ قرآن پر خصوصی توجہ، ان کے قرآنی ذوق، تفسیری مزاج اور روز مرہ زندگی میں قرآن سے گہرے تعلق کے مظاہر کے بارے میں تفصیلاتِ ''علامہ سید سلیمان ندویؒ کے تفسیری نکات'' کے لائق مرتب مولانا محمد فرمان ندوی نے اس کتاب کے باب اول میں بڑے سلیقہ سے جمع کر دی ہیں ۸۔ ان کا مطالعہ افادیت سے خالی نہ ہوگا۔

قرآن کریم سے ان کا جو والہانہ تعلق استوار ہوا اور ان کی ذاتی و علمی زندگی پر اس کے جو اثرات مترتب ہوئے اس کی تفصیل میں جانے کا یہاں موقع نہیں ہے، لیکن اس طرف توجہ دلانا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب نے سیرۃ النبی ﷺ میں جس لازمی انداز میں قرآن کو اولین ماخذ کے طور پر استعمال کیا ہے، جس کثرت سے اس کے مباحث میں قرآنی آیات سے استشہاد کیا ہے اور تاریخ ارض القرآن، مقالات سلیمان (جلد سوم) اور بعض دیگر تالیفات میں قرآنی مطالعات و تحقیقات کے جو اعلیٰ نمونے انھوں نے پیش کیے ہیں وہ خود قرآن کریم سے ان کے گہرے شغف اور فہمِ قرآن میں ان کی امتیازی صلاحیت و استعداد کا بیّن ثبوت ہیں۔ یہاں خاص طور سے ''سیرۃ النبی ﷺ'' کے بارے میں یہ ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے استاد گرامی کے طرز تالیف کی پیروی میں اس کی غیر مکمل جلدوں کی ترتیب و تکمیل میں قرآن کریم کو اولین ماخذ کے طور پر جس اہتمام سے استعمال کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوئے استاد گرامی پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب نے بجا تحریر فرمایا ہے: ''استاد کی تمنا پوری ہوئی اور انھوں نے سیرۃ کو قرآن کی روشنی میں اس طرح پیش کیا کہ عالمِ قدوس کی بانگِ قلم اس میں سنائی دینے لگی'' ۹۔ ان سب کے علاوہ مولانا محمد فرمان ندوی نے اپنی مرتبہ کتاب ''علامہ سید سلیمان ندویؒ کے تفسیری نکات'' میں ان کی مختلف النوع نگارشات سے آیاتِ قرآنی کی تعبیرات، قرآنی اصطلاحات، شخصیات، اقوام، مقامات، مضامین سے متعلق ان کی جو تحقیقات وتشریحات جمع کی ہیں وہ بھی فہمِ قرآن وعلوم قرآنی میں ان کے درک کے واضح ثبوت پیش کرتے ہیں۔ (دراصل اس مضمون میں اس کتاب سے کافی استفادہ کیا گیا ہے)۔

ان کی علمی نگارشات اور تحقیقی تالیفات میں قرآنی افکار وتعلیمات کی جو ترجمانی ملتی ہے وہ اپنی جگہ ہے، روزمرہ زندگی کے عام معاملات میں قرآنی ذوق کی جو جھلک دکھائی دیتی ہے وہ بھی قابلِ دید ولائقِ تقلید ہے۔ ایک دفعہ گھر میں ریڈیو خرید کر آیا، اس کے لیے عمدہ غلاف تیار کیا جانے لگا، پھر یہ تجویز ہوئی کہ اس پر کوئی عبارت کاڑھ دی جائے۔ سید صاحب نے اس کے لیے جو آیت منتخب فرمائی وہ نہایت برمحل ہے، یعنی: انطقنا اللہ الذی انطق کل شیئی (حٰم السجدہ: ۲۱/۴۱) [ہمیں بھی اسی خدا نے بولنے کی قوت دی، جس نے ہر چیز کو قوتِ گویائی بخشی] ۔ اسی طرح خط لکھنے کے لیے لیٹر پیڈ کی تیاری کا مرحلہ آیا تو سید صاحب نے سرنامہ کے لیے یہ آیت تجویز فرمائی: انہ من سلیمان وانہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (النمل ۳۰/۲۷) ۱۰۔ مسجد سے نکلنے کی دعا بہت مشہور ہے۔ کیسے سید صاحب نے اس دعا کو قرآن کی ایک آیت سے مرتبط کر دیا، خود ان کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں: ''مسجد سے نکلنے کی دعا: اللھم انی اسئلك من فضلك العظیم کا ماخذ قرآن پاک کی اس آیت میں ہے: فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ (الجمعہ ۱۰/۶۲)'' ۱۱۔ مزید براں جب دارالمصنفین کے ترجمان ''معارف'' کے اجراء کی تیاری مکمل ہوگئی تو سید صاحب نے رمضان المبارک ۱۳۳۴ھ سے اس کی اشاعت کا آغاز کیا۔ اس کے اجراء کی ماہ مبارک سے بڑے اچھے انداز میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مناسبت قایم کرتے ہوئے پہلے شمارہ کے ''شذرات'' (اداریہ) میں رقم فرمایا: ''رسالہ معارف کا پہلا نمبر ہم رمضان المبارک ۱۳۳۴ھ کے مقدس مہینہ سے شروع کرتے ہیں کہ ہمارے تمام علوم و معارف کی سب سے پہلی کتاب یعنی قرآن اسی ماہ مقدس میں نازل ہوا تھا: شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن ۔۱۲؎ ۔ان سب کے علاوہ معارف میں تحریر کردہ ان کے اداریوں (شذرات) میں قرآنی آیات کا برمحل استعمال بہت کثرت سے ملتا ہے۔ وہ عام طور پر اداریہ میں مذکور کسی واقعہ سے عبرت پذیری کے لیے، اپنے جائز مقاصد کے حصول کے لیے مسلسل جد و جہد جاری رکھنے کے لیے اہلِ اسلام میں تحریک پیدا کرنے خاطر، کسی واقعہ کے نتائج پر غور و فکر کی خاطر، انقلابات زمانہ یا آزمائشی حالات پر قارئین کو صبر و استقلال کی تلقین کے لیے، قوموں کے عروج و زوال کے اسباب پر قرآنی فلسفہ سے لوگوں کو روشناس کرانے کے لیے، اہلِ علم کو علم عطا کرنے والی ذاتِ علیم و خبیر اور رحیم و کبیر کے تئیں تشکر کی تعلیم دینے کے لیے، کسی زیرِ بحث مسئلہ میں قرآن کریم۔ سے طلب رہنمائی کی طرف متوجہ کرنے کی خاطر یا اپنی بات کو مدلل و مستحکم کرنے کے مقصد سے قرآنی آیات نقل کرتے تھے اور بعض اوقات ان کی تشریح و ترجمانی بھی فرماتے تھے۔ ''شذرات سلیمانی'' کی صرف پہلی جلد پر ایک سرسری نظر ڈالنے پر بکثرت آیات کے حوالے ملے جن میں سے کچھ یہ ہیں: وله الکبریاء فی السمٰوٰت والارض ،ان الله لا یضیع اجر المحسنین،ان فی ذالك آیة لاولی الابصار، تلك الایام نداولها بین الناس، ما تسبق من امة اجلها وما یستاخرون، تلك امّة قد خلت لها ما کسبت، فبایّ حدیث بعده یؤمنون، علم الانسان ما لم یعلم، ولهن مثل الذی علیهنا بالمعروف۱۳؎۔

قرآن کریم سے گہرا تعلق اور فہمِ قرآن کے فروغ میں سید صاحب کی غیر معمولی دلچسپی کا ایک اور واضح ثبوت درسِ قرآن میں ان کے انہماک سے ملتا ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ درسِ قرآن سے ان کے خصوصی شغف میں بھی علامہ شبلی اور مولانا فراہی کے اثرات جلوہ فرما نظر آتے ہیں۔ یہ بات بخوبی معروف ہے کہ یہ دونوں حضرات تا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حیات اس دینی خدمت میں مصروف رہے ہیں۔ سید صاحب جہاں (دیسنہ، اعظم گڑھ، بھوپال اور کراچی) بھی رہے درس قرآن کا بڑی پابندی سے اہتمام کرتے رہے۔ ان کے تلامذہ کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اعظم گڑھ میں ہوں یا دیسنہ میں، رمضان میں بعد ظہر تا عصر درس قرآن ان کا معمول تھا۔ سید صاحب کے شاگرد عزیز مولانا اویس نگرامی ندوی کے بیان کے مطابق ماہ رمضان میں درس قرآن استاد گرامی کا محبوب مشغلہ تھا، لیکن دارالمصنفین سے وابستگی کے بعد ان کی درخواست پر وہ یہ درس روزانہ دینے لگے اور یہ اس قدر پسند کیا جاتا تھا کہ بعض اوقات ندوہ کے اساتذہ وطلبہ اس سے مستفیض ہونے کے لیے اعظم گڑھ آتے تھے۔ دوسرے سید صاحب یہ خدمت جس گہری دلچسپی ولگن سے انجام دیتے تھے اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ ان کے وطن دیسنہ میں مسجد ان کے گھر سے کافی دور تھی، لیکن وہ پیری اور صحت کی کمزوری کے باوجود مئی وجون کی تپتی ہوئی دھوپ میں بھی ظہر کی نماز میں مسجد میں تشریف لے جاتے اور نماز کے بعد مسجد میں تا عصر درس دیتے تھے[۱۴]۔ مختلف مقامات پر ان کے جو تلامذہ اس سلسلۂ درس قرآن سے خصوصی طور پر مستفیض ہوئے ان میں مولانا محمد اویس نگرامی ندوی، مولانا مسعود عالم ندوی، مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی، مولانا محمد ناظم ندوی، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا عبد الباری ندوی، مولانا مجیب اللہ ندوی رحمہم اللہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ مزید براں قرآن سے ان کے والہانہ تعلق پر یہ واقعہ بھی شہادت دے رہا ہے کہ بعض اوقات وہ رمضان میں اپنے شاگردوں سے تراویح میں قرآن سنتے اور خود انھیں اپنے درس قرآن سے مستفیض کرتے۔

ان کے ایک قریبی شاگرد مولانا مجیب اللہ ندویؒ اپنی خودنوشت میں رقم طراز ہیں:

"سالانہ امتحان میں راقم الحروف کے ایک دو پرچے باقی تھے کہ استاذ الاساتذہ حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا گرامی نامہ ملا، جس میں تحریر تھا: 'امتحان کے بعد تم سیدھے دارالمصنفین آجاؤ۔ تم ہمیں قرآن سناؤ اور میں تمھیں قرآن پڑھاؤں'۔ قرآن سنانے کا مطلب تراویح میں قرآن سنانا تھا۔ رمضان المبارک میں سید صاحب درس دیا کرتے تھے۔ قرآن پڑھانے سے اسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طرف اشارہ فرمایا تھا'' ۱۵؎۔

پاکستان منتقل ہو جانے کے بعد کراچی میں روزانہ بعد نماز فجر قرآن کا درس دینا ان کا معمول رہا ہے۔ یہ اضافہ بے موقع نہ ہوگا کہ سید صاحب نے اس شہر میں یہ درس اپنی قیام گاہ کے قریب ایک نو تعمیر مسجد میں شروع کیا تھا، بعد میں مقامی لوگوں کی خواہش و اصرار پر اس مسجد کا نام انہی کے نام پر'' جامع سلیمانی '' رکھا گیا۔ اس میں شرکاء کی تعداد اس قدر بڑھ گئی کہ لاؤڈ اسپیکر کا انتظام کیا گیا ۱۶؎۔ اس سے اہم بات یہ کہ سید صاحب نے اس درس کو اپنی زندگی کا ماحصل قرار دیا ہے۔ وہ شاہ معین الدین ندویؒ کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں: '' بحمد اللہ صبح کی نماز کے بعد ایک گھنٹہ ایک مسجد میں درسِ قرآن ہوتا ہے۔ سو دو سو سامعین رہتے ہیں، جن میں بعض افسران بھی ہوتے ہیں۔ یہی ماحصلِ زندگی ہے'' ۱۷؎۔ اس پر صاحبِ مقالہ (پروفیسر محمد اقبال انصاری مرحوم) کا تبصرہ بہت برمحل ہے: '' اس اقتباس کا آخری جملہ خصوصیت کے ساتھ قابلِ غور ہے جو آخری وقت تک سید صاحب کے قرآنی شغف کا بین ثبوت ہے'' ۱۸؎۔

درسِ قرآن اور اس کے توسط سے فہمِ قرآن کے فروغ میں سید صاحب کی خصوصی دلچسپی کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ وہ اس کے باقاعدہ تیاری کرتے تھے۔ اس کے لیے کچھ منتخب (قدیم و جدید) تفاسیر کے علاوہ لغت کی بعض کتب سے بھی استفادہ کرتے تھے۔ اس ضمن میں طبری، آلوسی، ابو حیان توحیدی، مغنی، شاہ عبد القادر اور مولانا فراہی کی تصانیف کا ذکر ملتا ہے۔ آیات کے معنی و مفہوم کی وضاحت میں پہلے الفاظ کی لغوی تحقیق و تشریح پر خاص زور دیتے تھے۔ اس سے متعلقہ آیات کا مفہوم اچھی طرح سمجھ میں آجاتا تھا، جیسا کہ ان کے درس کے ایک مستقل شریک اپنا یہ تاثر بیان کرتے ہیں کہ: '' علامہ سید سلیمان ندوی دوران درس قرآن کریم کی آیات کی لغوی تشریح ایسی فرماتے تھے کہ آیت کا پورا مدلول و مفہوم سامنے آجاتا تھا'' ۱۹؎۔ اس ضمن میں دوسری لایقِ توجہ بات یہ کہ وہ درس دیتے وقت عام فہم زبان اور سہل اسلوب اختیار کرتے تھے، تاکہ قرآن کا پیغام اور اس کی ہدایات و تعلیمات بآسانی لوگوں کی سمجھ میں آجائیں۔ اہم بات یہ کہ وہ اپنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تلامذہ و مسترشدین کو درس قرآن کی ترغیب دیتے اور اس کے لیے سیدھا سادہ انداز اختیار کرنے کی نصیحت کرتے۔ وہ اپنے ایک زیر تربیت شاگرد کو لکھتے ہیں: ''درسِ قرآن دیں، سیدھے سادے طریقہ سے بیان کر دیں۔ اللہ تعالیٰ ان شاء اللہ فائدہ دیں گے۔ ترجمہ و تسہیل مطالب پر اکتفا کریں، حلال و حرام اور احکام بیان کریں اور قناعت اور استغناء عن الخلق پیشہ کریں۔ وھو الرزّاق ذو القوۃ المتین'' ۲۰۔ وہ انہی شاگرد کو سلسلۂ درسِ قرآن شروع کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: آپ درس قرآن شروع کریں۔ اللہ تعالیٰ برکت دیں گے'' ۲۱۔

درس قرآن، جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا، زندگی بھر سید صاحب کا محبوب مشغلہ رہا ہے، لیکن افسوس کہ تحریری صورت میں یہ محفوظ نہیں کہ اس کے کچھ نمونے پیش کیے جا سکیں، جس سے اس کی نوعیت اور قدر و قیمت مزید واضح ہو جائے۔ البتہ انھوں نے سورہ فاتحہ کا جو درس دیا تھا، اس کے نکات ان کے قریبی شاگرد مولانا محمد اویس نگرامی ندوی نے اپریل ۱۹۵۵ء میں کراچی سفر کے دوران ڈاکٹر غلام محمد (صدر حلقۂ علمی، کراچی) کی درخواست پر اہلِ علم کی ایک خصوصی مجلس میں پیش کیے تھے۔ بعد میں ڈاکٹر غلام محمد صاحب نے اس درس کے متن کو (جو دوران خطاب ہی قلمبند کیے گئے تھے) اپنے حواشی کے ساتھ مرتب کر کے مولانا نگرامی صاحب کی خدمت میں نظر ثانی کے لیے بھیجا اور پھر اسے افادۂ عام کی خاطر رسالہ کی صورت میں ''نکاتِ سورہ فاتحہ۔ از افادات علامہ سید سلیمان ندویؒ'' کے عنوان سے مذکورہ مجلس کے زیر اہتمام شایع کیا۔ ڈاکٹر صاحب کے بقول انھوں نے ان نکات پر نوٹس یا حواشی سید صاحب کے درس کے نہج پر تیار کیے تھے۔ یہ وضاحت خود انھوں نے دیباچہ میں کی ہے۔ ان کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں: ''حضرت علامہ کے نکات کو جو مولانا نگرامی کے دوران تقریر ہی قلمبند کر لیے گئے تھے، متن کی حیثیت دے کر ان کے ذیل میں اس ہیچمداں نے حضرت علامہ ہی کے نہج پر تائیدی نوٹ تیار کر دیے ہیں۔ اور یہ جراءت اس وجہ سے ہو سکی کہ اس عاجز کو علامہ مرحوم کے تین پاروں کی تفسیر سننے اور ان کے تفسیری مذاق سے بقدرِ حوصلہ واقف ہونے کی سعادت حاصل رہی ہے'' ۲۲۔ اسی رسالہ سے کچھ اقتباسات یہاں پیش کیے جا رہے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جن سے سید صاحب کے درس کے کچھ (بالواسطہ) نمونے مل سکتے ہیں۔ آیات کے ترجمہ اور ''نکتہ'' کے تحت جو کچھ درج ہوگا وہ افادات سلیمانی بزبانِ مولانا نگرامی ہوں گے اور ''تشریح'' کے ذیل میں جو کچھ مندرج ہوگا وہ ڈاکٹر غلام محمد کے حواشی ہوں گے۔

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم (پناہ لیتا ہوں اللہ کی شیطان مردود سے)

نکتہ: تعوذ در حقیقت اعلیٰ توکل ہے۔

تشریحی نوٹ: کیوں کہ حاصل ''تعوذ'' کا یہ ہے کہ اے اللہ مجھ میں تو اتنی طاقت نہیں اپنے کس بل سے شیطان کا مقابلہ کروں اور اس پر غالب رہ سکوں، اس لیے میں اپنی قوت کی نفی کر کے بس آپ کی ذات عزیز کا سہارا لیتا ہوں۔ اب آپ ہی کی مدد میری قوتِ بازو ہے اور آپ ہی کی حفاظت میری ڈھال۔ تعوذ کا یہ مفہوم عین مطابقِ قرآن ہے۔ سورہ نحل میں حق تعالیٰ نے ''مومنِ متوکل'' ہی کو مکر شیطانی سے محفوظ قرار دیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے: واذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ من الشیطٰن الرجیم انہ لیس لہ سلطان علی الذین آمنوا و علیٰ ربھم یتوکلون (النحل/۹۸) ''پس جب تو قرآن پڑھنے لگے تو پناہ لے اللہ کی، شیطانِ مردود سے، اس کا زور نہیں چلتا ان پر جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں'' [۲۳]۔

''الحمد للہ (حقیقتِ حمد اللہ ہی کے لیے ہے)

نکتہ: الحمد میں ''ال'' تحقیقِ حقیقت کے لیے ہے یعنی حقیقتِ حمد اللہ کے لیے بہر حال ثابت ہے، خواہ کوئی اس کی حمد کرے یا نہ کرے۔

تشریحی نوٹ: عام طور پر مفسرین نے ''ال'' کو کلمہ استغراق بتایا ہے جس کی رو سے الحمد کے معنے ہوتے ہیں: ساری تعریف خواہ کسی قسم کی ہو، کوئی سی بھی ہو اور بظاہر کسی کے لیے بھی ہو۔ یہ معنیٰ بھی درست ہیں لیکن ''ال'' کو تحقیقِ حقیقت کے لیے ماننے سے لفظ ''الحمد'' کے معنی میں اور بلندی اور خوبی پیدا ہوگئی کہ غیر اللہ سے حمد کی نفی بھی ہوگئی اور ذات باری تعالیٰ کا کسی غیر کی حمد سے بے نیاز ہونا بھی ثابت ہوگیا جو ایک حقیقتِ کبریٰ ہے۔ قرآن پاک نے اس حقیقت کو بار بار بے نقاب کیا ہے: انّ اللہ ھو الغنیّ الحمید

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(لقمان/۲۶) /یہ تحقیق کہ اللہ تو بے نیاز اور خود تمام خوبیوں والا ہے۔ ان تکفروا فانّ اللہ غنیّ عنکم (الزمر/۷) /اگر تم کفر کرو تو اللہ کو تمھاری کچھ بھی حاجت نھیں۔ اسی حقیقت حمد سے انسانوں کی بے خبری کا ذکر بھی قرآن پاک میں کئی جگہ موجود ہے: الحمد للہ، بل اکثرھم لا یعلمون (النحل/۷۵) /حقیقتِ حمد تو اللہ ہی کے لیے ہے، مگر بہت لوگ اس کو جانتے نھیں"۔۲۴

رب العٰلمین، الرحمٰن الرحیم، مالك یوم الدین (جو مربّی ہے ہر ہر عالم کا، رحمٰن ورحیم ہے، مالک ہے روزِ جزا کا)

نکات: ۱۔ ربطِ کلام۔ صفتِ ربوبیت کا تقاضا ہے کہ یومِ دین قایم ہو۔

۲۔ ان آیات میں قیامت کا عقلی ثبوت بھی آ گیا کہ اگر یومِ جزا قایم نہ ہو تو نعوذ باللہ حق تعالیٰ کی رحمانیت ورحیمیت پر حرف آئے گا، اس لیے عقلاً بھی قیامت کا وقوع ضروری ہے۔

تشریحی نوٹ: تاکہ برائی بھلائی نتیجہ خیز بن سکے، ورنہ دنیا تو دار الجزاء نھیں اور اگر مر کر بھی کافر ومومن کا انجام محض فنا ہی ٹھہرا تو پھر دونوں میں امتیاز کیا باقی رہا؟ حق تعالیٰ کے نظامِ ربوبیت وعدل میں اس بے انصافی کا تصور بھی گناہِ عظیم ہے۔ قیامت ہی کے تذکرے میں ذرا اس قرآنی للکار کو سنیے: افنجعل المسلمین کالمجرمین مالکم کیف تحکمون (القلم/۳۵۔۳۶) /تو کیا ہم مسلمانوں اور مجرموں کو [کافروں] کو یکساں کر دیں گے؟ (ارے) تم کو کیا ہو گیا، کیسا حکم لگاتے ہو۔ افمن کان موئمنا کمن کان فاسقاً لا یستون (السجدہ/۱۸) /تو کیا جو شخص مومن ہو گیا اس شخص جیسا ہو جائے گا جو نافرمان ہے؟ وہ آپس میں برابر نھیں ہو سکتے۔ الیس اللہ باحکم الحٰکمین (التین/۸) /کیا اللہ [تبارک وتعالیٰ] سب حاکموں سے بہتر حاکم نھیں ہے؟ نوٹ از مرتب: "مفسرین نے رب العٰلمین اور مالک یوم الدین میں کئی ربط نکالے ہیں مگر جو ربط حضرت علامہ نے بیان فرمایا وہ سب سے بہتر وحقیقی ہے"۔۲۵

ایّاك نعبد وایّاك نستعین (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ہم تجھی سے مدد چاہتے ہیں

نکتہ: یہ آیت پاک ایک ہی جملہ ہے۔ "ایاك نعبد" میں دعوے کی صورت تھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''ایاك نستعین'' بڑھا دینے سے اس کی نفی ہوگئی کہ ہم عبادت تو کرتے ہیں مگر یہ عبادت بھی محض تیری ہی مدد (توفیق) کی بنا پر ہے، ورنہ اپنے کیے سے کیا ہو سکتا تھا۔

تشریحی نوٹ: عام طور پر مفسرین اس آیت پاک کو ایک نہیں بلکہ دو جملے الگ الگ قرار دیتے ہیں: عبادت گذاری اور استمد اد جن کے دو جدا جدا عنوان ہیں، مگر جو بات اوپر بیان کی گئی ہے اس سے معنی میں کس قدر لطافت ونزاکت پیدا ہوگئی ہے اور کمال عبدیت کا اس میں کس درجہ اظہار ہے کہ اور تو اور ایک سجدۂ نیاز مندی میں بھی تو بندہ محض توفیقِ الٰہی کا ہی محتاج ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی زبانی اسی حقیقت کا اعتراف قرآن پاک میں ملاحظہ ہو: وما توفیقی الّا باللہ (ھود/۸۸) رمجھ کو جو کچھ توفیق (عمل کی) مل جاتی ہے وہ محض اللہ کی طرف سے ہے۔ اور خاتم النبیین ﷺ کو تو حکم ہے کہ اس بات کو قاعدہ کلیہ پر سنا دیں: قل ان الھدی ھدی اللہ (آل عمران/۷۳) راور آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ ہدایت تو بس اللہ ہی کی ہدایت ہے۔[۲۶]

مذکورہ بالا نکات اور ان کی تشریحات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ قرآنی علوم پر ان کی نظر کتنی گہری تھی۔ متداول تفاسیر ان کے پیش نظر رہتی تھیں، لیکن آیات کی تشریح و توضیح میں بہت سے مقامات پر وہ منفرد رائے رکھتے تھے جو ان کے اپنے عمیق تدبر و تفکر پر مبنی ہوتی تھی۔

تیسرے یہ کہ ان کے اصول تفسیر میں تفسیر القرآن بالقرآن کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ ان سب کے علاوہ ایک اور اہم بات یہ کہ قرآن مجید کے معنیٰ و مفہوم کی وضاحت میں وہ نہایت آسان زبان اور سادہ اسلوب اختیار کرتے تھے۔

سید صاحب کے قرآن مجید سے خصوصی تعلق، علم قرآن میں درک، قرآنی آیات پر مسلسل غور و فکر اور اپنے مضامین، کتب، خطوط اور اصلاحی تربیتی تحریروں میں ان کے بکثرت استعمال کے واضح شواہد ان کی مختلف النوع تالیفات سے ملتے ہیں۔ ان سے قرآنی نکات کو چن چن کر مولانا محمد فرمان ندوی نے ''علامہ سید سلیمان ندوی کے تفسیری نکات'' میں مرتب کر دیا ہے۔ اس کتاب اور بعض دوسری تالیفات سے ذیل میں کچھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مثالیں پیش کی جارہی ہیں، جن سے سید صاحب کا قرآنی ذوق، قرآنی شغف اور قرآنی فکر کی اشاعت میں ان کی غیر معمولی دلچسپی مزید واضح ہوگی۔

''حمد'' قرآن کریم کی ایک معروف اصطلاح ہے۔ لفظ ''شکر الٰہی'' کے ذیل میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''شکر کے اس جذبہ کو ہم کبھی زبان سے ادا کرتے ہیں، کبھی اپنے ہاتھ پاؤں سے اسے پورا کرتے ہیں، کبھی اس کا بدلہ دے کر اس کا قرض اتارتے ہیں۔ زبان سے اس فرض کے ادا کرنے کا نام اللہ تعالیٰ کے تعلق سے قرآن کی اصطلاح میں ''حمد'' ہے، جس کے مطالبہ سے پورا قرآن بھرا ہوا ہے اور یہی سبب ہے کہ حمدِ الٰہی میں اللہ تعالیٰ کے ان اوصاف کاملہ کا ذکر ہوتا ہے، جو ان احسانوں اور نعمتوں کی پہلی اور اصلی محرک ہیں۔ اور اسی لیے کہنا چاہیے کہ جس طرح سورہ فاتحہ سارے قرآن کا نچوڑ ہے، سورہ فاتحہ کا نچوڑ خدا کی حمد ہے، اسی بنا پر قرآن پاک کا آغاز سورۂ فاتحہ سے اور سورہ کا آغاز الحمد سے ہے: الحمد لله رب العٰلمین (الفاتحہ ۱/۱) سارے جہاں کے پروردگار کی حمد ہے'' ۲۷۔

سورہ نحل میں دعوت و تبلیغ کے اصول میں تین مخصوص الفاظ (حکمت، موعظت، مجادلت) استعمال ہوئے ہیں۔ سید صاحب کے الفاظ میں ان کی تشریح ملاحظہ فرمائیں:

" ادع الیٰ سبیل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتي هی احسن (النحل ۱۶/۱۲۵)

اپنے پروردگار کی راہ کی طرف لوگوں کو دانائی اور عمدہ نصیحت کے ذریعہ بلا اور ان سے مناظرہ خوش آئند طریق سے کرو]۔

تبلیغ و دعوت کے یہ تین اصول مسلمانوں کو سکھائے گئے: عقل و حکمت، موعظۃ حسنہ اور مناظرہ بطریق احسن ...... حقیقت یہ ہے کہ جب ہم کسی کے سامنے کوئی بات پیش کر کے اس کے قبول کی دعوت دیتے ہیں تو عموماً تین طریقے برتتے ہیں۔ یا تو اس بات کے ثبوت اور تائید میں کچھ دل نشیں دلیلیں پیش کرتے ہیں اور موثر انداز میں اس کو نیک دید

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور نشیب و فراز سے آگاہ کرتے ہیں یا یہ کرتے ہیں کہ اس کی دلیلوں کو مناسب طریقہ سے رد کر کے اس کی غلطی کو اس پر واضح کرتے ہیں۔ پہلے طریقہ کا نام حکمت، دوسرے کا نام موعظہ حسنہ اور تیسرے کا نام جدال بطریق احسن ہے''۲۸۔

سورہ اعراف میں مذکور قرآنی اصطلاح ''لباس التقوی" سے کیا مراد ہے؟ اس باب میں مفسرین مختلف الرائے ہیں؟ ان کی آراء کا احاطہ کرتے ہوئے سید صاحب نے اپنی ترجیحی رائے ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

> ''لباس التقویٰ ذالك خير" (الاعراف/۲۶)[اور پرہیز گاری کا لباس یہ بہتر ہے]۔ پرہیز گاری کے لباس سے کیا مقصود؟ بعضوں نے مجاز سمجھ کر اس سے ایمان، دوسروں نے اعمالِ صالحہ یا شرم وحیا مراد لی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ مجاز سے پہلے خود حقیقت پر غور کرنا چاہیے۔ اس لیے کچھ مفسروں نے اس کو حقیقت ہی پر محمول کیا ہے۔ مشہور تابعی مفسر ابن زید نے اس سے مطلق پوشاک مراد لی ہے۔ کسی نے زرہ اور خود وغیرہ لڑائی کے سامان کو لباس تقویٰ قرار دیا ہے۔ کسی نے اس سے زہد و ورع کے صوفیانہ کپڑے سمجھے ہیں، لیکن یہ بھی حقیقت سے دور ہونا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ لباس التقویٰ سے تقویٰ اور پرہیز گاری ہی کا لباس مراد ہے۔ یعنی وہ لباس پہننا چاہیے جو تقویٰ اور پرہیز گاری کا منشا ہو اور جو لباس تقویٰ اور پرہیز گاری کا منشا ہے اس کو آنحضرت ﷺ نے اپنی قولی اور عملی تفسیر سے ظاہر فرما دیا ہے۔ شاہ عبد القادر محدث دہلویؒ اس آیت پر ترجمۂ قرآن کے حواشی میں لکھتے ہیں: اب وہی لباس پہنو جس میں پرہیز گاری ہو۔ مرد لباس ریشمی نہ پہنے اور دامن دراز نہ رکھے اور جو منع ہوا ہے سو نہ کرے اور عورت بہت باریک نہ پہنے کہ لوگوں کو نظر آوے اور اپنی زینت نہ دکھاوے''۲۹۔

اس کے علاوہ قرآنی شخصیات، اقوام اور مقامات سے متعلق سید صاحب نے اپنی مختلف تالیفات بالخصوص تاریخ ارض القرآن میں جو تحقیقات عالیہ پیش کی ہیں وہ بھی ان کے قرآنی ذوق، وسعت مطالعہ اور تاریخی و جغرافیائی معلومات کا آئینہ دار ہیں۔ ذیل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی مثالوں سے یہ باتیں اور واضح ہو جائیں گی۔ قرآن کریم میں دو مقامات پر ''اصحاب الرس'' کا ذکر آیا ہے۔ اس کی تحقیق پیش کرتے ہوئے سید صاحب رقم طراز ہیں:

''قرآن مجید میں ایک قبیلہ کا نام ''اصحاب الرس'' مذکور ہے۔ بعض مورخین کا بیان ہے کہ قید ماہ کا نام اصحاب الرس تھا۔ ہمارے ہاں مفسرین اصحاب الرس کی تعیین میں نہایت مشکوک الرای ہیں۔ امام طبری نے ارباب روایت کی تین روایتیں نقل کی ہیں: (۱) رس کنویں کو کہتے ہیں۔ ایک امت نے اپنے پیغمبر کو کنویں میں ڈال دیا تھا، اس لیے اس کو اصحاب الرس کہتے ہیں۔ (۲) رس ملک آذربائیجان کے پار ایک ملک کا نام ہے (شاید روس سے مقصود ہو)۔ (۳) رس غار کو کہتے ہیں اور اس سے مراد اصحاب الاخدود ہیں۔ لیکن مورخ مسعودی بلا تزلزلِ رائے رکھتا ہے ''اصحاب الرس اسمٰعیل کی اولاد میں سے تھے، وہ دو قبیلے تھے۔ ایک کا نام قید مان تھا اور دوسرے کا یامین اور کہا گیا ہے کہ رعویل تھا اور یہ یمن میں تھے'' (مروج الذہب)۔ قید مان، قید ماہ کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ اصحاب الرس کا اس کے علاوہ کوئی اور حال نہیں معلوم۔ قرآن مجید نے اصحاب الرس کا دو مقام پر ذکر کیا ہے، لیکن کوئی حال بیان نہیں کیا ہے، بلکہ صرف گنہ گار قوموں کی فہرست کے ضمن میں اس کا نام لیا ہے: ''و عاد و ثمود و اصحاب الرس'' (الفرقان/۳۸) [عاد، ثمود اور اصحاب الرس کو]۔ ''کذبت قبلھم قوم نوح و اصحاب الرس و ثمود'' (ق/۱۲) [اس سے پہلے نوح کی قوم، اصحاب الرس اور ثمود نے جھٹلایا [اس سے پہلے نوح کی قوم، اصحاب الرس اور ثمود نے جھٹلایا] ۳۰۔

لفظ ''مجوس'' کی لغوی و معنوی تشریح۔ قرآن کی ایک آیت میں اس کے واضح ذکر کے علاوہ بعض آیات میں ان کے عقائد کی طرف اشارات کے بارے میں سید صاحب کا حاصلِ مطالعہ ملاحظہ فرمائیں:

''مجوسیت ایران کا قدیم مذہب ہے، جس کا بانی زرتشت بتایا جاتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔زرتشتی خود اپنے کو مجوس نھیں کہتے، عربی میں یہ لفظ یونانی سے آیا ہے۔یونان ان کو مجوس کہتے ہیں۔اصل فارسی لفظ مغ ہے۔مجوس یزداں اور اہرمن دو خداؤں قائل تھے، ایک فاعلِ خیر (یزداں) اور دوسرا فاعلِ شر (اہرمن)۔یزداں کو نور اور اہرمن کو ظلمت سے بھی تعبیر کرتے تھے۔ قرآن نے عرب کے مجوسی اعتقاد کا ابطال بھی ضروری سمجھا، چنانچہ کہتا ہے: وقال الله لا تتخذوا الٰهين اثنين انما هو اله واحد (النحل/۵۱) [اور خدا نے فرمایا کہ دو خدا نہ بناؤ، خدا تو ایک ہی ہے] ۔میری رائے میں قرآن مجید کی یہ آیتیں: الله نورالسمٰوٰت والارض (النور/۳۵)[خدا آسمان اور زمین کی روشنی ہے] ۔الحمد لله الذى خلق السمٰوٰت والارض وجعل الظلمٰت والنور (الانعام/۱)[حمد ہو اس اللہ کی جس نے آسمان وزمین پیدا کیا اور تاریکی اور روشنی کو بنایا]۔انہی مجوس کے رد میں ہیں۔مجوس کا نام ایک دفعہ قرآن میں آیا ہے، سورہ حج میں''۳۱۔

''امام مبین'' کی مشکل جغرافیائی اصطلاح کو سید صاحب نے قرآنی آیات کی روشنی میں اور قدیم و جدید مآخذ کی مدد سے کتنی تفصیل سے واضح کر دیا ہے، وہ بھی لائق ملاحظہ ہے:

''ہم نے کئی دفعہ لکھا ہے کہ یہ تجارتی شاہراہ جو حجاز ہو کر یمن سے شام کو جاتی ہے قرآن مجید نے اسی راستہ کو''امامِ مبین'' (ظاہر راستہ) کہا ہے اور عرب کی تمام بڑی بڑی آبادیاں اسی کے دائیں بائیں واقع تھیں۔اصحاب الایکہ اور مؤتفکہ یعنی حضرت لوط کا گاؤں جو بحر میت کے قریب تھا، اسی راستہ پر آباد تھے۔قرآن کہتا ہے: وانهما لبامام مبين (الحجر/۷۹)[یہ دونوں گاؤں کھلے راستے پر ہیں]۔سبا کے تجارتی قافلوں کے ذکر میں ہے: وجعلنا بينهم و بين القرى التى باركنا فيها قرىً ظاهرة و قدرنا فيها السير سيروا فيها ليالى و اياما آمنين (سبا/۱۸)[ہم نے ان کے ملک اور بابرکت آبادیوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(شام) کے درمیان بہت ہی کھلی آبادیاں قایم کردی تھیں اور ان میں سفر کی منزلیں مقرر کردی تھیں کہ ان میں دن رات بے خوف وخطر چلیں]۔ یہ انہی آبادیوں کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت یوسفؑ کے قصہ میں ایک قافلۂ تجارت کے جس راہ سے گذرنے کا ذکر ہے، وہ یہی راستہ ہے۔ تورات کے الفاظ یہ ہیں: ناگاہ (یوسف کے بھائیوں نے) دیکھا کہ اسماعیلیوں کا قافلہ جلعاد کی طرف سے آرہا ہے...... اور مصر کو جارہا ہے۔ قرآن میں یہ الفاظ ہیں: وجاءت سیارۃ (یوسف/۱۹)۔ یہ قافلہ جو تجارت کا مال عرب سے مصر لے جاتا تھا اسی شاہراہ سے گذر رہا تھا۔ اصحاب الایکہ یعنی ودان کا قرآن نے اسی راستہ پر ہونا بیان کیا ہے۔ تورات بھی اس کی تائید سے خالی نہیں ہے۔ یونانیوں کی تاریخ میں بھی اسی راستہ کا ذکر ہے۔ ایک یونانی مورخ لکھتا ہے: ''یہیں سے ایک سیدھی سڑک اس شہر کو جاتی ہے، جس کا نام پٹرا (رقیم) ہے اور فلسطین (شام) کو جاتی ہے، (یمامہ وبحرین) معین اور تمام عرب قریب میں رہتے ہیں [برٹن کی گولڈ مائنس آف مدین، ص ۱۷۹۔۱۸۰]'' ۳۲۔

یہ بات بخوبی معروف ہے کہ سید صاحب کا حلقۂ احباب ومعتقدین کافی وسیع تھا۔ یہ اپنے خطوط میں مکتوب الیہ گرامی سے مختلف استفسارات کرتے تھے۔ وہ ان کے سامنے ذاتی زندگی کے مسائل پیش کرتے، اپنے احوال وکیفیات سے انھیں آگاہ کرتے اور رہنمائی طلب کرتے، اپنی دلی خلش اور اپنے روحانی امراض سے بھی باخبر کرتے اور ان کے ازالہ کی تدبیر چاہتے۔ سید صاحب کی جانب سے ان کے جوابات پر نظر ڈالنے سے قرآن کریم سے ان کا گہرا تعلق اور ہر ممکن طریقہ سے قرآنی فکر کی اشاعت کی تئیں ان کی دلچسپی کے مزید ثبوت سامنے آتے ہیں۔ اس لیے کہ ان میں بہت سے جوابی خطوط میں وہ قرآن کریم کے حوالہ سے ان کے مسائل وپریشانیوں کا حل واضح کرتے ہیں۔ چند مثالوں سے ان باتوں کو اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے۔

ایک معتقد کی جانب سے ملک کے بعض حصوں میں پریشان کن حالات کی خبر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور بے چینی کی کیفیت کے اظہار پر جواب میں لکھتے ہیں:

''اس نزاکتِ احوال کا دفعیہ اور علاج کیا آپ کے اختیار میں ہے، اگر نہیں تو پھر یہ اضطراب قلبی و ایمانی کیوں؟ اضطراب طبعی میں میں حرج نہیں، اس کا علاج'' واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ'' (البقرہ ۲/۴۵) ۳۳ے

اسی مضمون کے ایک دوسرے خط کے جواب میں قرآن کے حوالہ سے یہ بھی واضح کرتے ہیں کہ صبر سے کیا مراد ہے:

''صبر کی بڑی اہمیت ہے۔ صبر نام ہے ناگوار باتوں کے پیش آنے پر بھی حق پر قائم رہنے کا: واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ وانھا لکبیرۃ الا علی الخشعین الذین یظنون انھم ملقوا ربھم'' (البقرہ/۴۵)۔ پھر فرمایا: اذا اصابتھم مصیبۃ، قالوا انا للہ و انا الیہ راجعون (البقرہ/۱۵۶)۔ ہم اللہ کے مملوک ہیں اور مالک کو اپنے مملوک میں ہر طرح کے تصرفات کا حق حاصل ہے۔ مملوک کو خیر ہو یا شر شکایت کا نہیں'' ۳۴ے

اسی طرح ایک صاحب نے اپنی یہ کمزوری ظاہر کی کہ مزاج کے خلاف معاملات پیش آنے پر انھیں بہت غصہ آتا ہے۔ ان کے جواب میں سید صاحب لکھتے ہیں:

''غصہ کو دبایئے۔ والکاظمین الغیظ/غصہ کو معاف کرنے والوں، میں بنیے [جنھیں اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے] (آل عمران/۱۳۴) اور جس وقت غصہ آئے تصور کیجیے کہ اللہ تعالیٰ کو تو ہم پر بہت زیادہ اختیار ہے، پھر بھی وہ معاف فرماتا ہے تو ہم کو بھی ایسا ہی چاہیے'' ۳۵ے

ایک صاحب نے خط میں کچھ اپنے آزمائشی حالات اور پریشانیوں کا ذکر کیا تو جواب میں سورہ بقرہ کی آیت/۲۱۴ کے حوالے سے یہ تسلی آمیز کلمات رقم فرمائے:

حالات معلوم ہوئے۔ ابتلاء و امتحان کے دور سے گذرنا ضروری ہے۔ ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ ولمّا یاتکم مثل الذین خلوا من قبلکم۔ ابتلا و امتحان کی آگ سے تپ کر ہی سونا خالص معلوم ہوتا ہے۔ سو اس پر اللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعالیٰ کا شکر ادا کیجیے اور استغفار اور طلبِ توفیق میں مصروف رہیے"۳۶۔

ایک مرید نے اپنا یہ حال بیان کیا کہ یاس وقنوطیت کے احساسات غالب رہتے ہیں اور امید کی کیفیت مغلوب ہوگئی ہے، یہ کیفیت کیسے دور کی جائے۔ ان کو تسلی دلاتے ہوئے اور توکل علی اللہ کی تلقین کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مومن قانط (pessimist) نھیں ہوسکتا۔" لا تقنطوا من رحمة الله " (الزمر/۵۳) اور" انه لا ییأس من روح الله الّا القوم الكفرون " (یوسف/۸۷)۔ بظاہر جو یاس مومن پر ہوتی ہے وہ عدم ظہور اسباب سے ہے، تو خوب سمجھ لیجیے کہ مسبب الاسباب پر نظر ہو تو عدم ظہور اسباب سے دل پر قنوط راہ نہ پائے۔ پس ہمیشہ" و توکل علی الحی الذی لا یموت " (الفرقان/۵۸) پر نظر رکھیے۔ یہ کیفیت دور ہو جائے گی"۳۷۔

تقویٰ سے متعلق قرآن کریم کی دو آیتوں کو پڑھتے ہوئے ایک صاحب کو کچھ تعارض نظر آیا تو اس اشکال کو سید صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ انھوں نے اس کا جو تسلی بخش جواب دیا وہ خود ان کے الفاظ میں ملاحظہ کریں:

"آیت" اتقوا الله حق تقاته " (آل عمران/۱۰۲) [اللہ سے ڈرو، جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے] اور "فاتقوا الله ما استطعتم " (التغابن/۱۶) [اللہ سے ڈرو جس حد تک ہوسکے] میں تعارض نھیں ہے، بلکہ" اتقوا الله حق تقاته" نصب العین ہے اور "فا تقوا الله ما استطعتم "ہر انسان کی عملی قدرت اور استطاعت کے لحاظ سے ہے"۳۸۔

ان کے ایک معتقد خاص نے یہ عرض کیا کہ ان کی اہلیہ حافظہ کی کمزوری کا شکار ہیں، دوا چل رہی ہے، کوئی دعا بھی بتا دیجیے۔ مرشد گرامی نے اس کا جو مختصر جواب دیا وہ بڑا قیمتی اور افادیت سے بھرپور ہے:

"حافظہ کی قوت کے لیے دوا کیجیے اور یہ تسبیح بھی پڑھتے رہیے:" فالله خیر حافظاً وهو ارحم الراحمین " (یوسف/۶۴)"۳۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہا یہ معاملہ کہ انھوں نے اپنی زندگی میں کس حد تک قرآنی افکار و تعلیمات کو رچایا بسایا اس کے بارے میں ان کے ایسے شاگرد کا تاثر نقل کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے جنھوں نے ایک دو نھیں بلکہ برسہا برس اپنے استاد گرامی کی روز مرہ زندگی کا بہت قریب سے مشاہدہ کیا تھا۔ اس ضمن میں مولانا محمد اویس نگرامی ندوی کے یہ تاثرات بہت قیمتی معلوم ہوتے ہیں:

> ''سید صاحب کے علمی کمالات کے بعد سب سے زیادہ جس چیز نے مجھ کو ان سے متاثر کیا وہ ان کی بے داغ زندگی ہے۔ قرآن مجید کے درس میں جو کچھ فرماتے تھے یا سیرت کے صفحات میں جو کچھ لکھتے تھے، بہ قدرِ طاقت و ہمت ان کی زندگی اس کے مطابق تھی۔ سید صاحب کے وطن دیسنہ ضلع پٹنہ میں میں غالباً ڈیڑھ ماہ اور دار المصنفین میں تقریباً چھ سال میں نے سید صاحب کو خوب دیکھا۔ ان کی عبادت، ان کے اخلاق اور ان کے معاملات میری نگاہوں کے سامنے ہیں۔ اس تجربہ کے بعد میرے قلب میں یہ اثر پیدا ہوا کہ ایک مسلمان کی زندگی ایسی شان کی گذرنی چاہیے''۔[۴۰]

قرآن کریم سے سید صاحب کے گہرے شغف اور قرآنی افکار و تعلیمات کی اشاعت میں ان کی مختلف النوع سرگرمیوں پر مذکورہ بالا شواہد کے علاوہ اس پر ایک قوی شہادت ان کے ان تصنیفی و تالیفی منصوبوں سے ملتی ہے جو انھوں نے آخر عمر میں تشکیل دیے تھے، لیکن ان کی حیات میں پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکے۔ اس کی تفصیلات ان کے شاگرد عزیز مولانا محمد اویس ندوی نے اپنے ایک مضمون (سید صاحب کے پیشِ نظر بعض اہم علمی کام) میں پیش کی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے غیر مکمل تصنیفی و تالیفی منصوبوں میں سے بیشتر کا تعلق قرآن یا قرآنی علوم سے تھا، مثلاً عقائد القرآن، فقہ القرآن، ان آیات کی جمع و ترتیب جن سے نبی کریم ﷺ نے اپنے اقوال میں استدلال کیا ہے، ان قرآنی آیات کی تشریح و ترجمانی جن میں ''آیاتِ الٰہی'' کے تحت کائنات کی اشیاء کا ذکر ملتا ہے، بلاغت و معانی کے مباحث میں قرآن کے جن لطائف ادبیہ کا حوالہ دیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاتا ہے ان کا استقصاء، قرآن مجید کے اعجاز پر مختلف قسم کی نگارشات کی کتابیات کی اور دار المصنفین میں محفوظ ''الفوز الکبیر'' کے قلمی نسخہ پر مرقومہ صاحبِ کتاب کے حواشی اور اصولِ ترجمہ قرآن کی صورت میں اشاعت ۴۱؎۔

ان تمام تفصیلات سے یہ بخوبی واضح ہوتا ہے کہ نہ صرف علمی دنیا میں، بلکہ عملی زندگی اور دوسرے شعبوں میں بھی سید صاحب کا قرآن کریم سے تعلق بہت گہرا رہا ہے۔ مذکورہ مباحث سے یہ حقیقت بھی عیاں ہوتی ہے کہ قرآنی فکر کی اشاعت کو انھوں نے اپنا مشن بنا لیا تھا اور اس کے مناسب جو مواقع انھیں میسر ہوتے انھیں خوب استعمال کرتے تھے۔ مضامین و مقالات، تصانیف و تالیفات، خطبات و شذرات، خطوط و مراسلات، درسِ قرآن کی مجالس اور تربیتی حلقے ان تمام ذرائع کو سید صاحب نے فکرِ قرآن کے فروغ اور قرآن کے پیغام کی اشاعت کے لیے استعمال کیا۔ ان سب کے علاوہ روزمرہ زندگی میں لوگوں سے تعلقات و معاملات میں بھی لوگوں کو قرآن کی باتوں سے روشناس کراتے اور بسا اوقات لوگوں کے استفسارات کے جواب میں قرآن کی آیات مع تشریح و ترجمانی پیش کرتے۔ خلاصہ یہ کہ انھوں نے پہلے ماہرینِ قرآنیات کی رہنمائی میں فہمِ قرآن کے باب میں اپنی استعداد کو بڑھانے میں بھرپور دلچسپی لی اور پھر دوسروں میں اس فہم کو فروغ دینے کے لیے ہر ممکن کوشش کی۔ ان تمام حقایق کی روشنی میں ان کی زندگی کا بہت قریب سے مشاہدہ کرنے والوں کا یہ تاثر صحیح معلوم ہوتا ہے کہ ان کا میدانِ اختصاص قرآنیات تھا۔

حواشی و مراجع

۱؎ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: علامہ سید سلیمان ندوی کے تفسیری نکات، مرتبہ/محمد فرمان ندوی، مجلس تحقیقات و نشریاتِ اسلام، لکھنو، ۲۰۱۵ء، ص ۵۲-۶۸

۲؎ مشاہیرِ اہلِ علم کی محسن کتابیں، مرتبہ محمد عمران خاں ندوی، معارف پریس، اعظم گڑھ، بدون تاریخ، ص ۱۲

۳؎ علامہ سید سلیمان ندوی۔ مشاہدات و تاثرات، مرتبہ/طلحہ نعمت ندوی، علامہ سید سلیمان ندوی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اکیڈمی، استھانواں [بہار شریف] مقالہ سید سلیمان ندوی، ''جن سے میں متاثر ہوا'' ص ۱۸، ۲۱

۴۔ علامہ سید سلیمان ندوی، مشاہدات و تاثرات، محولہ بالا، ص ۲۱

۵۔ سید ابوالحسن علی ندوی، پرانے چراغ، مکتبۂ فردوس، لکھنؤ، ۱۹۷۵ء، ص ۵۸

۶۔ محمد اویس نگرامی ندوی، سید صاحب اور علومِ قرآن، تعمیر حیات، ۱/۱۳، ۱۰/مئی ۱۹۶۴ء، ص ۵

۷۔ نکات تفسیر سورۂ فاتحہ۔ از افادات علامہ سید سلیمان ندوی، حلقۂ علمی، کراچی، بدون تاریخ، ص ا (دیباچہ)

۸۔ علامہ سید سلیمان ندوی کے تفسیری نکاتِ (باب اول: علامہ سید سلیمان ندوی اور ان کا تفسیری مزاج)، محولہ بالا، ص ۴۳۔۵۹

۹۔ خلیق احمد نظامی، سید سلیمان ندوی کے علمی کارناموں پر ایک نظر، معارف، ۵/۱۳۶، نومبر ۱۹۸۵ء، ص ۳۳۹

۱۰۔ علامہ سید سلیمان ندوی۔ مشاہدات و تاثرات [مقالہ محمد اویس نگرامی ندوی بعنوان ''آئی جو ان کی یاد تو آتی چلی گئی'' ص ۱۵۷؛

غلام محمد، تذکرہ سلیمانی، ادارہ نشر المعارف، کراچی، ۱۹۸۴ء، ص ۳۴۷

۱۱۔ علامہ سید سلیمان ندوی کے تفسیری نکات، ص ۱۳۳

۱۲۔ شذرات سلیمانی، معارف پریس، اعظم گڑھ، ۱۹۹۰ء، ۱/۱

۱۳۔ شذراتِ سلیمانی، ۱/۵۹، ۶۵، ۱۰۰، ۱۰۲، ۱۲۸، ۱۴۸، ۱۷۴، ۱۸۴، ۱۹۰، ۲۰۸، ۲۲۸، ۲۸۱

۱۴۔ حضرت سید سلیمان ندوی، مشاہدات و تاثرات، ص ۱۵۴۔۱۵۵

۱۵۔ مولانا مجیب اللہ ندوی، نقوشِ زندگی، اعظم گڑھ، ۲۰۱۲ء، ص ۷۰

۱۶۔ صباح الدین عبدالرحمٰن، ''سوانحِ حیات'' (سید سلیمان ندوی)، معارف۔ سلیمان نمبر، ۵/۷۵، مئی ۱۹۵۵ء، ص ۴۲

۱۷۔ مطالعہ سلیمانی۔ مقالات بزم سلیمان، مرتبہ مسعود الرحمٰن خاں ندوی اور محمد حسان خاں ندوی، تاج المساجد، بھوپال، ۱۹۸۶ء (مقالہ پروفیسر محمد اقبال انصاری، سید سلیمان ندوی کی قرآنی خدمات)، ص ۷۳

۱۸۔ حوالہ مذکور، ص ۷۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۹ حوالۂ مذکور، ص۶۳

۲۰ محمد ظفیر الدین مفتاحی، مشاہیر علماءِ ہند کے علمی مراسلے، قاضی پبلشرز، نئی دہلی، ۱۹۹۷ء ص۳۹؛ علامہ سید سلیمان ندوی کے تفسیری نکات، محولہ بالا، ص۱۴۴

۲۱ مشاہیر علماء ہند کے علمی مراسلے، محولہ بالا، ص۴۰

۲۲ نکات سورہ فاتحہ، ص/ب (دیباچہ)

۲۳ نکاتِ سورہ فاتحہ، ص۱

۲۴ نکاتِ سورہ فاتحہ، ص۳۔۴

۲۵ نکاتِ سورہ فاتحہ، ص۴۔۵

۲۶ نکات سورہ فاتحہ، ص۶۔۷

۲۷ سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی ﷺ، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۰۳ء، ۳۲۶/۵، علامہ سید سلیمان ندوی کے تفسیری نکات، ص۲۹۰۔۲۹۱

۲۸ سیرۃ النبی ﷺ ۲۵۷/۴۔۲۵۸؛ علامہ سید سلیمان ندوی کے تفسیری نکات، ص۳۰۷۔۳۰۸

۲۹ سیرۃ النبی ﷺ، ۵۴۳/۶۔۵۴۴، علامہ سید سلیمان ندوی کے تفسیری نکات، ص۳۸۵

۳۰ سید سلیمان ندوی، تاریخ ارض القرآن، دارالمصنفین، اعظم گڑھ، ۲۰۰۳ء، ۴۴/۲

۳۱ تاریخ ارض القرآن، ۱۵۴/۲

۳۲ تاریخ ارض القرآن، ۹۰/۲۔۹۱

۳۳ تذکرہ سلیمانی، ص۵۲۲

۳۴ تذکرۂ سلیمانی، ص۲۱۵

۳۵ تذکرہ سلیمانی، ص۵۰۸

۳۶ مشاہیر علماء ہند کے علمی مراسلے، ص۳۱

۳۷ تذکرہ سلیمانی، ص۴۴۵

۳۸ علامہ سید سلیمان ندویؒ کے تفسیری نکات، ص۱۳۵

۳۹ تذکرہ سلیمانی ص۵۸۳

۴۰ علامہ سید سلیمان ندوی۔ مشاہدات وتاثرات، محولہ بالا، ص۱۵۴

۴۱ محمد اویس ندوی، سید صاحب کے پیش نظر بعض اہم علمی کام، معارف۔ سلیمان نمبر، محولہ بالا، ص۲۴۶۔۲۴۹

© rasailojaraid.com